حضرت العلام حافظ محمد صاحب گوندلوی مدظلہ العالی!

دوام حدیث — قسط نمبر ۲۲

ایک اسلام

اس کے بعد حضرت جابرؓ سے ایک حدیث نقل کی ہے۔ لکھتے ہیں:

"حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حج کے لئے روانہ ہوئے۔ جن کے پاس قربانی کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔ انہیں ذی الحجہ کی پانچویں تاریخ کو احرام توڑنے کی اجازت دے دی گئی۔ چنانچہ ہم نے خوب جماع کیا اور پانچویں دن کے بعد جب ہم عرفہ کے لئے روانہ ہوئے تو (تقطر مذاکیر المنی) ہمارے اعضاء تناسل سے نطفہ بدستور ٹپک رہا تھا۔" (صحیح مسلم)

الجواب:

حدیث کا مطلب غلط بیان کیا، پھر اس پر اعتراض کیا۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو، جن کے پاس قربانی نہ تھی، حلال ہونے کیلئے کہا اور ان پر ان کی عورتیں بھی حلال ٹھہرائیں مگر جماع کو فرض نہیں کیا۔ جابرؓ کہتے ہیں، ہم نے کہا، جب صرف عرفہ میں پانچ دن باقی رہ گئے ہیں، ہم کو عورتوں کے پاس جانے کیلئے کہا ہے یعنی اجازت دی ہے۔ اگر ہم ایسا کریں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم جماع سے فارغ ہو کر فوراً عرفات پہنچیں۔ ان کا خیال یہ تھا کہ عرفہ میں اور جماع میں فاصلہ بہت سے دنوں کا ہونا چاہیئے۔ چنانچہ لفظ یہ ہیں:

"فذاتی عرفة ولتقطر من اکیرنا المنی"

اس کے نیچے امام نووی لکھتے ہیں :

"ھو اشارۃ الی قرب العھد بوطی النساء"

کہ "یہ جماع کے زمانہ کے قرب کی طرف اشارہ ہے"

معترض صاحب اس طرح احادیث کو مسخ کرتے ہیں اور اعتراض یہ ہے کہ ملّا نے حدیث بنائی اور مسخ کی ہے - فیاللعجب!

دسواں باب

اس باب میں حدیث میں نماز کی صورت بتلائی ہے ، مطلب یہ ہے کہ حدیث کی نماز رواجی نماز کے خلاف ہے - لہٰذا حدیث کو معلّم نماز کہنا درست نہیں - اس کا ذکر قدرے ہو چکا ہے کہ حدیث رواجی نماز کے خلاف نہیں - بعض کام اس قسم کے ہیں کہ ان کو دونوں طرح کرنا جائز ہے مگر رواج میں صرف ایک چیز کو اختیار کیا گیا ہے کیونکہ اس میں سہولت ہے اور بعض جگہ حدیث میں ایک چیز مستحب ہے مگر رواج میں وہ لازم قرار دی گئی اور بعض احادیث اس قسم کی ہیں جو منسوخ ہیں - اس لئے رواج دوسری احادیث کے موافق ہے جو ناسخ ہیں -

پھر نماز کے فرض ہونے پر اعتراض کیا ہے -

اس جگہ معراج کی حدیث بیان کی ہے - جس میں یہ ذکر ہے کہ پہلے پچاس نمازیں فرض ہوئیں - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت موسیٰؑ کے پاس آئے تو آپ کے کہنے پر اللہ تعالیٰ سے تخفیف کا مطالبہ کیا - یہ مطالبہ حضرت موسیٰؑ کے کہنے پر بار بار ہوا - تھوڑی تھوڑی تخفیف ہوتی گئی یہاں تک کہ پانچ رہ گئیں اور اللہ نے فرمایا ، میری بات نہیں بدلتی ، پانچ ہی پچاس ہیں !

الجواب :

یہ واقعہ ایک مثالی واقعہ ہے - اگرچہ معراج جسمانی ہے مگر بعض واقعات اس کے مثالی ہیں - یعنی پانچ نمازیں مثالی شکل میں پچاس کی صورت میں نمودار ہوئیں - اس کی مثال خواب کی ہے انسان چونکہ شہادی صورتوں کے دیکھنے کا عادی ہوتا ہے - اس واسطے اس کا دماغ اسی طرف جاتا ہے کہ اس کا وجود عالمِ شہادت میں اس طرح ہے - چنانچہ وہ جذباتی طور پر اس سے متاثر ہوتا ہے - موسیٰؑ کی معرفت ، جو پہلے رسول تھے ، یہ حقیقت منکشف ہوئی - یعنی یہ

وجود مثالی ہے، ان کا ثواب پچاس کا ہے۔ دراصل یہ پانچ ہی ہیں۔

اب ان کا اعتراض سنئے، لکھتے ہیں:

"اس داستان کا خلاصہ یہ ہے کہ امتِ رسول کی استعداد کا علم نہ خدا کو تھا اور نہ حضور کو۔ اگر موسیٰ علیہ السلام پیچھے نہ پڑتے تو امت پہ پچاس نمازیں فرض ہو جائیں اور یہ امت صبح سے لیکر شام تک نمازیں ہی پڑھتی رہتی، نہ کما سکتی نہ کھا سکتی۔ نہ ضروریاتِ حیات کی طرف توجہ دے سکتی۔ مجبوراً ہر شخص اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کرتا۔ یہ تو حضرت موسیٰ کی عقل کی داد دیجئے کہ اسلام کو بچا لیا۔ ورنہ خدا اور رسول تو بقول انس "یہ غلطی" کر ہی بیٹھے تھے ماشاء اللہ کیا داستان تراشی ہے کہ حضرت موسیٰ کو خدا اور رسول کا معلم الثانی بنا ڈالا۔ اور یہ آخری فقرہ بھی خوب ہے کہ ہم اپنا قول نہیں بدلا کرتے، اگر نہیں بدلا کرتے تو پھر پچاس سے پچیس اور پچیس سے پانچ کیونکر ہوئیں"۔

(دو اسلام ص ۲۲۹)

یہ ہے لب و لہجہ مصنف کا، نہ بات کو سمجھا، نہ حقیقت کو پایا بس اعتراض جڑ دیا۔ یہ مسئلہ تو قرآن میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ادعونی استجب لکم"

"مجھے پکارو، میں تمہاری پکار قبول کروں گا"

اس پر آپ جیسے آزاد منش یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کیلئے اس کی دعا کے لئے فیصلہ کر دیا ہے تو ہم دعا کر کے اللہ تعالیٰ کو اپنی ضروریات سے آگاہ کرتے ہیں۔ اگر یہ جواب دیں کہ دعا سے آگاہ کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ ہم دعا کریں تو وہ ہماری ضرورت پوری کرے، تو یہی حکمت وہاں سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ اگرچہ ہماری مصالح سے واقف تھا مگر اس کی حکمت کا یہ تقاضا تھا کہ درخواست سے اس میں تخفیف کی جائے اور متنبہ کرنے کے لئے حضرت موسیٰ ؑ کو واسطہ قرار دیا۔

اس کے بعد فقہ اور حدیث میں جو اختلاف ہے، اس کا ذکر کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

وضو:

"فقہ کی بنیاد قرآن و حدیث پر رکھی گئی تھی، فقہ بتلاتی ہے:

۱- وضو میں اعضاء کو تین تین مرتبہ دھونا چاہیئے۔

۲- مجامعت سے غسل فرض ہوتا ہے۔

۳- خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

۴- نیند کے بعد وضو ضروری ہے۔

۵- جنابت کے پانی سے وضو درست نہیں۔

——— لیکن احادیث کچھ اور ہی کہتی ہیں:

ہر نماز کے لئے وضو:

"کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتوضأ عند کل صلوٰۃ (بخاری)

کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے نیا وضو کیا کرتے تھے"

تردید بالا:

ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک رات میں اپنی خالہ میمونہ کے گھر میں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر سو چکنے کے بعد جاگے، وضو کیا، نماز پڑھی ثم اضطجع فنام حتی نفخ ثم اتاہ المنادی فاذنہ بالصلوٰۃ فقام معہ الی الصلوٰۃ فصلی ولم یتوضأ پھر آپ لیٹ گئے یہاں تک کہ خراٹوں کی آواز آنے لگی اس کے بعد نماز کے لئے بلانے والا آیا۔ آپ اس کے ہمراہ مسجد کو چل دیئے اور وہاں جا کر وضو کئے بغیر نماز ادا کی۔ (بخاری)

اس حدیث سے دو باتیں واضح ہو گئیں۔ اول کہ حضور ہر نماز کے لئے نیا وضو نہیں کرتے تھے۔ دوم، نیند کے بعد وضو ضروری نہیں۔ اگر آپ یہ کہیں کہ رسولِ اکرم کی صرف آنکھیں سوتی تھیں اور دل جاگتا تھا، اس لئے ان کے لئے وضو ضروری نہیں تھا اور یہ ہدایت صرف امت کے لئے تھی تو ملاحظہ کیجئے صحیح مسلم کا یہ قول کہ:

"کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینامون ثم یصلون ولا یتوضئون"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سو جاتے، پھر نماز پڑھتے اور وضو نہ کرتے۔ کیا صحابہ کے دل بھی نبی صلعم کی طرح جاگتے رہتے تھے؟ (دو اسلام ص ۲۰۳)

الجواب :

ہر نماز کے لیئے نیا وضو مستحب ہے، اس لیے آپؐ ایسا کرتے تھے - اور نماز سے مراد یہاں پنجوقتی نماز ہے - یعنی ایک نماز فرضی کے لیئے جو وضو کرتے، دوسری نماز کے لیئے اس پر اکتفار نہ فرماتے - اور حدیث مذکور میں ایسا نہیں بلکہ آپؐ نے پہلے تہجد کے لیئے وضو کیا، پھر اسی پر اکتفار کیا -

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہر نماز کے لئے نیا وضو کرنا دائمی نہیں تھا، کبھی کبھی ایک ہی وضو سے متعدد نمازیں بھی پڑھ لیا کرتے تھے - جیسے سنن میں ہے -

نیند کے بعد وضو کرنے کے متعلق پہلے بیان ہو چکا ہے کہ نیند فی نفسہٖ ناقض نہیں بلکہ نیند سے چونکہ مفاصل ڈھیلے پڑ جاتے ہیں، اس لئے وضو کرنا پڑتا ہے - یہی وجہ ہے کہ فقہار نے لکھا ہے کہ رکوع، قیام اور بدون ٹیک لگائے بیٹھنے سے وضو نہیں ٹوٹتا - کیونکہ اس میں مفاصل ڈھیلے نہیں ہوتے اور صحابہؓ کی حالت بھی یہی تھی -

لہو سے وضو ٹوٹنے کا مسئلہ :

اس میں اختلاف ہے - اصل تحقیق یہ ہے کہ مستحب ہے مگر فقہ نے اس مستحب کو رواج دے لیا ہے -

مجامعت کے بعد غسل کے ضروری ہونے پر پہلے بحث ہو چکی ہے کہ جن حدیث سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ مجامعت سے غسل واجب نہیں ہوتا اس میں مجامعت کا ذکر نہیں - اور وہ حکم منسوخ ہے - آخری حکم وجوب غسل کا ہے -

آگ کی پکی ہوئی چیز سے وضو مستحب ہے، اس لئے آپؐ نے کبھی کیا اور کبھی نہیں کیا، اس میں کوئی تعارض نہیں -

وضو ایک بار اعضار دھونے سے بھی ہو جاتا ہے، دو بار بھی، تین بار بھی - یہ آخری درجہ ہے - ان مسائل میں فقہ اور حدیث کا کوئی اختلاف نہیں -

کیا غسل سے بچے ہوئے پانی سے وضو جائز ہے؟ ایک حدیث میں منع ہے اور ایک میں جواز، معلوم ہوتا ہے یہ نہی تنزیہی ہے - یعنی بہتر ہے کہ وضو نہ کرے، ویسے جائز ہے -

(باقی آئندہ، ان شاء اللہ)